اقبال اور عصری نظام تعلیم

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اقبال نے جب اپنی بصیرت سے جدید نظام کا جائزہ لیا تو انھیں چند بہت بڑی کمزوریاں اور خامیاں نظر آئیں جنھیں انھوں نے اپنی تنقید اور صاف گوئی کا نشانہ بنایا اور ماہرین تعلیم کو اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کی، وہ جہاں مدرسہ اور طالب علم کے جرم کا ذکر کرتے ہیں، وہاں اس سے مراد مغربی مدارس اور اس کے طلبہ ہی ہوتے ہیں، ان کے خیال میں اس نظام دانش نے نئی نسل کے حق میں سب سے بڑا جرم کیا ہے، وہ مدرسہ و خانقاہ دونوں سے بیزار نظر آتے ہیں جہاں نہ زندگی کی چہل پہل ہے نہ محبت کا جوش و خروش، نہ حکمت و بصیرت ہے نہ فکر و نظر۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

وہ دانش کدوں کی کو رنگاہی و بے ذوقی اور خانقاہوں کی کم طلبی و بے توفیقی دونوں سے نالاں اور دونوں سے گریزاں ہیں:۔

جلوتیان مدرسہ کور نگاہ مردہ ذوق
خلوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو

عصری دانشگاہوں کا ظلم عظیم

اقبال کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ تعلیم جدید نے نئی نسل کی صرف عقلی اور ظاہری تربیت سے اعتناء اور قلب و روح کی نشوونما، روحانی ارتقاء، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ، نفس سے غفلت کرکے اس پر سب سے بڑا ظلم کیا ہے، جس کے سبب اس کے قویٰ غیر متوازن، اور اس کی اٹھان غیر متناسب ہوئی ہے اور اس کی زندگی ہم آہنگی کے بجائے بے اعتدالیوں کا نمونہ بن گئی ہے، نئی نسل کے ظاہر و باطن، عقل و روح، علم و عقیدہ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہوگئی ہے۔

اسکی عقل باریک مگر روح تاریک ہے اور اسکے ذہنی ارتقا کے ساتھ اس کا روحانی زوال بھی اسی حساب سے ہو رہا ہے، وہ نئی نسل کو بہت قریب سے جانتے تھے اس لئے جب بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے یا کوئی بات کہتے ہیں تو وہ واقعہ کی تصویر ہوتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ نئی نسل کا پیمانہ، خالی، اس کی روح پیاسی اور تاریک ہے، مگر اس کا چہرہ بہت تازہ و بارونق اور اس کا ظاہر بہت چاق و چوبند ہے اس کی عقل روشن مگر بصیرت اندھی ہے، بے یقینی اور

یاس و قنوط ان کی زندگی کا حاصل اور محرومی ان کی قسمت ہے، یہ نوجوان انسان نہیں انسانوں کی لاش ہیں، وہ اپنی ذات کے منکر ہیں، مگر دوسروں پر ایمان لاتے ہیں، اغیار و اجانب ان کے اسلامی خمیر سے دیر و کلیسا کی تعمیر کر رہے ہیں، اور ان کی صلاحیتیں "صرف درمیکدہ" ہو رہی ہیں، سخت کوشی اور جفاکشی کے بجائے نرمی اور تن آسانی، لذت طلبی اور عیش کوشی ان کا مسلک بنتی جارہی ہے۔

ان کی پست ہمتی کا یہ حال ہے کہ امیدیں اور آرزوئیں پیدا ہی نہیں ہوتیں یا پیدا ہوتے ہی گھٹ کے مرجاتی ہیں نئی دانشگاہوں نے ان کے دینی جذبات کو پوری طرح سلادیا اور ان کے وجود کو ہم نفس دم بنا دیا ہے۔

اپنی ذات اور اپنی شخصیت سے ناواقفیت اور اپنی صلاحیتوں سے بے پروائی ان میں عام ہے مغربی تہذیب کے زیر اثر وہ اپنی روح کا سودا روٹی کے چند ٹکڑوں پر بھی کرتے اور ضمیر فروشی کر سکتے ہیں، ان کے معلم بھی ان کی قیمت اور حیثیت عرفی سے نا آشنا ہیں، اس لئے انھوں نے ان کو شرف و عظمت کے راز سے آگاہ نہیں کیا، وہ مومن ہیں، لیکن موت کی لذت سے بے خبر، اور توحید کی طاقت سے ناواقف، وہ فرنگ سے تہذیب کے لات و منات کی درآمد کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے فرزند حرم ہو کر بھی ان کا دل "طواف کوئے ملامت" اور "سجدہ پائے صنم" سے متنفر نہیں، فرنگ نے انھیں بغیر حرب و ضرب اور قتل و غارت کے بھی مار ڈالا ہے، ان کی عقلیں بے جھجک، ان کے دل پتھر، اور نگاہ بیباک ہے، ان کے قلوب بڑے سے بڑے حوادث کی چوٹ سے بھی نہیں پگھلتے ان کے علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل، سب کا مرکز مادہ ہے، ان کے دلوں میں افکار تازہ کی کوئی نمود نہیں، ان کے خیالات میں کوئی بلندی نہیں، ان کی زندگی پر جمود و تعطل کی برف جمی ہوئی ہے:۔

یہ بتان عصر حاضر بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ نہ تراش آذرانہ

شکایت ہے مجھے یارب خدونداں مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کے دے رہے ہیں خاکبازی کا

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے

مئے یقیں سے ضمیر حیات ہے پرسوز
نصیب مدرسہ یارب یہ آب آتشناک

یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک

آہ مکتب کا جوان گرم خوں،
ساحرا فرنگ کا صید زبوں

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ
شستہ و تاریک جاں، روشن دماغ

کم نگاہ و بے یقین و نا امید
چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید

ناکسان منکر زخود مومن بغیر
خشت بنداز خاک شاں معمار دیر

اقبال نئی نسل کے نوجوانوں سے کیا توقعات اور ان کے متعلق کیسے بلند خیالات رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ان کے اشعار سے ہو سکتا ہے:۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ایک قطعہ میں کہتے ہیں:۔

جوانوں کی مری آہ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کردے

"خطاب بہ جوانان اسلام" اور دوسری نظموں میں ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے، طلباء علی گڑھ کالج کے نام "عشق کے درد مند" نے اپنے پیغام میں صاف صاف کہا:۔

جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے

ان کی نظم "ایک نوجوان کے نام" ہیں ان کے احساسات بڑی وضاحت سے آگئے ہیں۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی لہو مجکو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں کہ پائی میں نے استغنائیں معراج مسلمانی
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانو ںمیں نظر آتی ہے انکو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفان ہے امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

وہ جب مسلم نوجوانوں کو اسلام کے بجائے دوسرے فلسفوں سے متاثر اور مرعوب دیکھتے ہیں تو فطری طور پر انھیں صدمہ ہوتا ہے اپنی نظم "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" لکھتے ہیں

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا زناری برگسان نہ ہوتا
انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ہیں ذوق عمل کے واسطے موت
دیں مسلک زندگی کی تقویم دیں سر محمدؐ و براہیمؑ

دل در سخن محمدی بند اے پور علیؓ ز بو علی چند
چوں دیدۂ راہ بیں نداری قاید قرشیؐ بہ از بخاری

اقبال نئی نسل کی بے ہمتی اور اس کی اخلاقی پستی کا ذمہ دار موجودہ نظام تعلیم کو قرار دیتے ہیں جس کے ہاں اخلاق پر کوئی زور نہیں اور نہ تربیت کا کچھ خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ آجکل کے نوجوانوں کے دل سوزدروں سے خالی اور ان کی نظریں غیر عفیف ہیں، تعلیم یافتہ نوجوان کی زبان بہت تیز ہے، لیکن اس کی آنکھوں میں اشک ندامت اور دل میں خوف و خشیت ذرا بھی نہیں:۔

جو آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے

وہ ان سب باتوں کے لئے کالجوں اور یونیورسٹیوں کو مورد الزام قرار دیتے ہیں جنھوں نے نوجوانوں کو اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے، اور ان کی فطرت مسخ کر کے رکھدی ہے، وہ دوسرا ذمہ دار حد سے بڑھی ہوئی "عقلیت" کو بھی سمجھتے ہیں، جو اولوالعزمیوں اور پر خطر راہوں سے روکتی، اور ہر قدم پر مصلحت سنجی اور عاقبت بینی کا بہانہ تراشتی رہتی ہے۔

اقبال کی نگاہ میں اس ذہنی انحطاط کی ایک وجہ حد سے بڑھی مادہ پرستی اور اسباب طلبی، اور عہدوں، ملازمتوں، اور اونچی کرسیوں کو تعلیم کا مقصد سمجھنا بھی ہے، وہ کہتے ہیں، کہ بے مقصد افراد کے لئے علم دوائے نافع نہیں ستم قاتل و قاطع ہے اور ایسی رزق سے موت بہتر ہے:۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مغربی تعلیم پر معاد کے بجائے معاش کا تصور جس طرح چھایا رہتا ہے وہ اس کے لئے جان لیوا ہے، اس تعلیم کا یہ فیض ہے کہ مرغ چمن محروم نوا اور فطرت بے رنگ ہو کر رہ جاتی ہے، روٹی بھی ہاتھ میں نہیں تھماتی اور دوسرے ہاتھ سے روح بھی قبض کرلیتی ہے۔

نوا از سینہ مرغ چمن برد زخون لالہ آں سوز کہن برد
بایں مکتب بایں دانش چہ نازی کہ ناں درکف نداد و جان زتن برد

جدید تعلیم کے مجرمانہ کردار کا اقبال نے بے باکی سے پردہ چاک کیا اور اس کی دکھتی رگوں پر ہاتھ

رکھا ہے' حد سے زائد فکر معاش'ناروا مصلحت بینی اور عافیت گزینی' اور مصنوعی تہذیب ' نقلی زندگی اس تعلیم کی نمایاں پیداوار ہیں ' اقبال نے اس کی نشاندھی کی ہے:۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
اس جنون سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیض فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش
(مدرسہ)

تعلیم جدید پر اقبالؒ کی کڑی نکتہ چینی!

نئی تعلیم پر اقبال کے غم و غصہ اور سخت گیری کی ایک بنیاد یہ ہے کہ یہ تعلیم بطالت و تعطل' جمود و خمود' آرام طلبہ و لذت کوشی کی تعلیم دیتی ہے' اور زندگی کو بحر منجمد بنا دیتی ہے' وہ طالب علم کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اسی طرح یہ تعلیم مغربی استعمار کا ہتھکنڈا بن کر مشرق میں اس کی تہذیب اس کے افکار اور اس کے لئے مستقبل کے لئے نو آبادیات (COLONY) کی زمیں فراہم اور ہموار کرتی ہے' اور نوجوانوں کو افرنگ زدہ بناتی ہے اور بلند معیار زندگی کی ہوس پیدا کر کے نئے نئے مسائل (PROBLEMS) سامنے لاتی ہے:۔

مشرق کی روایات و خصوصیات کو ختم کر کے وہاں وہ مغربی معاشرہ برپا کر دینا چاہتی ہے' جہاں بقول میکالے (شکل و صورت کے لحاظ سے مشرقی لیکن ذہن و طبیعت کے اعتبار سے مغربی انسان) پائے جانے لگیں۔

مغربی تعلیم پر اقبال کی تنقیدوں کا ایک پہلو یہ ہے کہ جس طرح اس کی بنیاد کفرو الحاد یا پھر ذہنی انتشار اور فکری انار کی پر ہے' اسی طرح وہ یہ تمام ذہنی بیماریاں نئے دماغوں میں اتار دیتی ہے' فکر و فلسفہ ' آزادی رائے' حریت خیال اور آزادانہ غور و خوض (FREE THINKING) کے نام سے ذہنی بے ربطی اور پریشان خیالی کو جنم دیتی ہے' اقبال کے خیال میں غلط بینی سے کور چشمی اور عالمانہ بیدینی سے نادانی بہتر ہے۔

زمن گیر ایں کہ مردے کو رچشمے
زبینائے غلط بینے نکوتر
زمن گیر ایں کہ نا دانے نکوکیش
زدانشمند بے دینے نکوتر

اقبال کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ ان ذہنی جمناسٹکوں سے کیا حاصل جو انسان کو خلا باز اور ہوا پرواز بنا دیں لیکن اسکے جمے ہوئے قدم بھی اکھڑ جائیں اور وہ اپنا مقام بھی کھو بیٹھے۔

ازاں فکر فلک پیما چہ حاصل — کہ گرد ثابت و سیار گردد
مثال پارۂ ابرے کہ ازباد — بہ پہنائے فضا آوارہ گردد

یہ نظام تعلیم انسان کو مشینوں، صنعتوں اور ترقیوں کے آگے بے قیمت و بے حیثیت بنا دیتا ہے، حالانکہ انسان ہی بحر وجود کا گوہر مقصود اور مزرع ہستی کا حاصل ہے، دنیا کو انسان کے تابع ہونا چاہیے نہ کہ انسان کو دنیا اور متاع دنیا کے:۔

منہ ازکف چراغ آرزو را — بدست آور مقام ہائے وہورا
مشود رچار سوئے ایں جہاں گم — بخود بار آو بشکن چار سورا
دو گیتی بخود باید کشیدن — نبایداز حضور خودر میدن
بہ نوردوش میں امروز خودرا — زدوش امروز رانتواں ربودن

(ارمغان حجاز)

اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھکو — تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی — وہ پاکی فطرت سے ہوا محرم اعماق

(ضرب کلیم)

اقبال کی نظر میں فکر بشری، وحی الٰہی اور فیضان سماوی کے بغیر خام اور ناتمام رہتی ہے، اس لئے فکری ناپختگی کے باوجود اسے شروع سے آزاد اور بے قید کر دینا پریشاں خیالی اور ژولیدہ نگاہی کو دعوت دینا ہے۔

آزادی فکر کے عنوان سے انھوں نے ایک بڑا بصیرت افروز اور معنی خیز قطعہ کہا ہے:۔

آزادی افکار سے ہے انکی تباہی — رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار — انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

(ضرب کلیم)

خیالات نے جس طرح دنیا میں ذہنی بے اطمینانی (MENTAL DISCONTENT) پیدا کر دی ہے وہ بھی کالج کا عطیہ ہے جو ہر نئی ذہنی اپج کو فلسفہ کا نام دے دیتا ہے۔

پر ہے افکار سے ان مدرسہ والوں کا ضمیر
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز

"عصر حاضر" کے عنوان سے اقبال نے ایک قطعہ میں مشرق و مغرب کی بنیادی خرابیوں کو طشت ازبام کیا ہے' ان کا کہنا ہے کہ مشینی دور کی تیز روی اور عجلت پسندی نے ہر شے کی پختگی ختم کر دی ہے' اور فلسفہ کو بے ربط بنا دیا ہے' دیار فرنگ میں عشق و محبت کو ان کا حقیقی مقام اسی لئے نہیں ملا کہ لادینیت نے اس کا کوئی مرکز باقی نہیں چھوڑا اور مشرق میں عقل کو صحیح مقام اس لئے نہیں ملا کہ افکار میں کوئی تسلسل نہ تھا۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈھنے جائے کوئی — اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر — چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق — عقل بے ربطی' افکار سے مشرق میں غلام
(ضرب کلیم)

نظام تعلیم پر اقبال کی تنقید کا ایک رخ یہ ہے کہ وہ نوجوانوں میں مغرب کی اندھی تقلید اور خالص پیروی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے' اور ان میں جدت و اجتہاد کا کوئی جذبہ نہیں بیدار کرتا' وہ کہتے ہیں کہ دنیا تو خود رسم و رواج میں جکڑی ہوئی ہے لیکن یہ دانش گاہیں' اس سے بھی تنگ دائروں میں بند ہیں' ان میں جاکر عبقری دماغ بھی امامت عصر کے بجائے ابن الوقتی اور زمانہ سازی کرنے لگتے ہیں۔

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں — بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو
دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار — کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ و دو
کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت — وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو
(اساتذہ)

اقبال کہتے ہیں کہ نئی نسل کا وجود اس کا ذاتی نہیں بلکہ وہ یورپ کی پرچھائیں ہے' اور اس کی مصنوعی زندگی بھی مستعار ہے۔ نئی نسل جسم و مادہ کا وہ ڈھانچہ ہے جسے مغربی معماروں نے تعمیر کیا ہے' لیکن اس میں روح نہیں پھونکی ہے' اس کا وجود' وہ مرصع نیام ہے جس میں کوئی تیغ قاطع نہیں' اقبال بڑے مزے سے کہتے ہیں کہ نئی نسل کی نگاہ میں خدا کا وجود معدوم ہے لیکن میری نظر میں خود اس نسل ہی کا بود و وجود ہم نفس عدم ہے۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ — کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی — فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر
تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود — مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود — کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

(افرنگ زدہ: ضرب کلیم)

اقبال کی رائے ہے کہ مغربی نظام تعلیم نے مسلم نوجوانوں کی معنوی روح کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے' اور انھیں مردان کار کے بجائے مرد بیمار بنا دیا اور بانکا سجیلا' صباحت پسند بن کر رہنا سکھا دیا ہے' ان میں نزاکت و ملاحت' نرمی اور تخنث اور نسائیت پیدا کر کے جدوجہد کی سرگرمیوں سے بہت دور کر دیا ہے' وہ کہتے ہیں 'کہ میری نظر میں اس علم کی کوئی قیمت نہیں جو مجاہد سے اس کے مردانہ اوصاف چھین لے اور مصاف زندگی میں اسے سامان آرائش دے کر اس کے ہتھیار لے لے۔

اقبال بڑی دردمندی اور جاں سوزی کے ساتھ پر خلوص انداز میں نئی نسل کے مربی سے درخواست کرتے ہیں' وہ جب ایک شفیق استاذ اور مہربان و غمخوار مربی کی زبان سے یہ کہتے ہیں' تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے جہاں کا درد ان کے جگر میں اور پوری ملت کا غم ان کے وجود میں سمٹ آیا ہے۔

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے انکو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو انکو سکھا خارہ شگافی کے طریقے — مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی — دارو کوئی سوچ انکی پریشاں نظری کا
کہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار — مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

(اے پیر حرم: ضرب کلیم)

(ماخوذ از نقوش اقبال

مکتبہ قاسمیہ

قرآن پاک - قاعدے - سپارے - دینی - مذہبی - تبلیغی - اصلاحی - ادبی کتابیں اور ہفت روزہ ختم نبوت - ہفت روزہ خدام الدین - ہفت روزہ ابابیل - ہفت روزہ ترجمان اسلام ماہنامہ الشریعۃ - ماہنامہ الحق - ماہنامہ بلد

رنگ - ماہنامہ خلافِ راشدہ - پندرہ روزہ صدائے قلم و دیگر رسالہ جات سپاہ صحابہ کے بیج - سٹکرز - لٹریچر - جھنڈے - ٹوپیاں - عطر - مسواکیں - و دیگر سامان سٹیشنری

واحد اور معروف ادارہ

مکتبہ قاسمیہ اندرون کوٹ مراد خان قصور